قدرت کی اسپیس

The Space of Nature

قلندر بابا اولیاءؒ

Qalandar Baba Aulia

اسپیس

سائنس دان اسپیس ایسی خلاء کو کہتے ہیں جہاں زمین کی کششِ ثقل (Gravity) موجود نہ ہو۔ زمین کی (Gravity) کس کس جگہ موجود نہیں یہ ایک الگ بات ہے۔ زمین کی کشش کی وجہ سے انسان سانس لیتا ہے یعنی کہ یہ ایک ایسی زندگی ہے جو کشش چاہتی ہے اور اس کے بغیر اس کا قیام ممکن نہیں۔ مگر زمین پر بسنے والے انسان، حیوانات، جمادات اور نباتات میں ہی کچھ ایسا موجود ہے جو زمین کی کشش کا اثر نہیں لیتا۔ مثال کے طور پر ہوم، خیال، افسوس۔ اس کے علاوہ سوچ، تفکر وغیرہ بھی زمین کی کشش سے لاتعلق ہیں۔ اس کے بہت سے ثبوت موجود ہیں۔ مثال کے طور پر انسان سو جاتا ہے۔ کشش اس کو سانس پہنچاتی رہتی ہے مگر اس کا ذہن کشش سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ خواب دیکھتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، چلتا ہے، ایک سیکنڈ کے حصہ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس الت میں جو کیفیتے اس پر گزرتی ہیں، یادداشت پر تحریر ہوجاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے جاگنے کی حالت میں ہوتا ہے یعنی اس کا ذہن جو کچھ دیکھتا ہے، سنتا ہے، سمجھتا ہے وہ زمین کی کشش سے آزاد ہے، اس کے سیدھے سادھے معنی یہ ہوئے کہ سائنس کی یہ تعریف غلط ہے کہ اسپیس (space) صرف خلاء کو کہتے ہیں جہاں زمین کی کشش موجود نہ ہو، جب کہ انسان ہر جگہ زمین کی کشش سے آزاد ہے۔ انسان صرف سانس لینے والے کا نام تو نہیں ہے اس لئے کہ جب وہ نیند میں سانس لیتا ہے تو اسے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اس کے دوسرے معنی یہ کریں گے کہ انسان سوچ بچار، تفکر یا توجہ کا نام ہے۔ یعنی صرف حواس کا نام انسان ہے۔ حواس ہی انسان کی زندگی ہیں۔ میں (محمد عظیم برخیاؒ المعروف قلندر بابا اولیاء) اس حالت کی تفصیل اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان چاہے زمین پر ہو یا خلاء میں وہ زمین کی کشش سے آزاد ہے۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ زمین کی کشش کا پابند ہوتا تو کبھی مرتا نہیں۔ وہ ہمیشہ امر رہتا اس لئے کو زمین کی کشش اس کی ہر کیفیت کو اپنے اندر سمو لیتی۔ روحانی دنیا میں اسپیس خلاء تک محدود نہیں ہے مگر اسپیس ہر جگہ ہے، ہر چیز میں ہے اور کوئی چیز اسپیس سے الگ نہیں رہ سکتی۔

انسان کے ذہن میں جو پردہ ہے، اس کی چار جگہ (اسپیس) ہیں۔ ایک اندھیرا اور اندھیرے کے پیچھے کی اسپیس، ایک اجالا اور ایک اجالے کے پیچھے کی اسپس، یہ چار اسپیس ہوئیں۔

انسان اگر چاروں اسپیس پر قدرت اور پا بو پانا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ اندھیرے میں دیکھ سکتا ہے اور اجالے میں پردے کے پیچھے جو کچھ ہے اسے دیکھ سکتا ہے۔ یہ جاگنے سے ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہوجاتا ہے۔ پہلے چوبیس گھنٹے، پھر اڑتالیس گھنٹے، پھر بہتر گھنٹے پھر بہتر سے زیدہ چوراسی گھنٹے، عموماً بہتر گھنٹے کے بعد وہ چیزوں پر قابہ پالیتا ہے جن پر قابہ پالینا چاہئے۔ مثال کے طور پر بہت سی اسپیس پر قابو پالیتا ہے مطلب یہ کہ چاروں اسپیس دماغ کے پردے سے الگ ہوکر سامنے آجاتی ہیں۔ اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو مستقبل سے متعلق ہوتی ہیں۔ وہ الگ الگ ٹکڑوں میں نظر آتی ہیں۔

آہستہ آہستہ انسان ٹکڑوں کو جوڑنے لگتا ہے۔ ٹکڑے جوڑنے کے بعد اسپیس میں کچھ معنی پیدا ہوتے ہیں۔ پھر انسان اس کو سمجھنے لگتا ہے کہ مستقبل میں ایسے حالات پیدا ہوں گے۔ آنکھوں کے ساتھ جب دماغ کے چاروں حصے بیدار ہوجائیں گے، حرکت میں آجائیں گے تو سننے کی اسپیس بھی حرکت میں آجائے گی اور جب اس طرح دونوں اسپیس مل جائیں گی تو انسان دیکھنے بھی لگے گا اور سننے بھی لگے گا۔ پھر سونگھنے اور چکھنے کی اسپیس مل جائیں گی۔ جب ان پانچوں اسپیس دیکھنا، سننا، سونگنا، چکھنا اور چھونے کے ساتھ چھٹی اسوچنے کی اسپیس مل جائے گی تو بہت دور کی باتیں دماغ میں آتی ہیں، جو مستقبل میں ہونے والی ہوتی ہیں۔ اگر سوچنے کی اسپیس نہ ملے تو پانچوں حواس مل کر خیالات کو جنم دیتے ہیں۔ انسان ان پانچوں اسپیس کے بارے میں ادراک رکھتا ہے۔ اس حالت کو " فتح " کہتے ہیں۔

اس کے اندا رانسان کا بدن صرف ایک چھاؤں (سایہ) بن جاتا ہے اور وہ وقت اور فاصلہ کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس میں سوچنے کی اسپیس شامل نہیں۔ اگر سوچنے کی اسپیس شامل ہوئے تو "فتح" میں کمزوری آجائیگی، جسم بھاری ہوجائے گا۔ مگر یہ پانچ اسپیس ملنے سے جو خیالات پیدا ہوں گے وہ سوچنا نہیں کہلائیں گے یہ تو صرف علم ہوگا جس میں انسان کا انفرادی ذہن شامل نہیں ہوتا۔ مگر یہ علم اسپیس کا ہوتا ہے۔ اس وقت انسان "فتح" کی حالت میں ہوتا ہے اس کی اپنی فکر، اس کا اپنا سوچنا سب یادداشت سے نکل جاتا ہے۔ وہ اسپیس کے علم سے سوچتا ہے یہ اسپیس کا علم اللہ کا نور ہے۔

سارے اولیاء اللہ کا قول ہے کہ ہم نے اللہ کو اللہ سے دیکھا ہے۔ اللہ کو اللہ سے سمجھا اور اللہ کو اللہ سے پایا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اسپیس کا علم ملا ہوا ہے۔ اسپیس کا علم، علم کی تجلی کو دیکھتا ہے جب اسپیس کا علم آنکھوں سے دکھ جائے کانوں سنائی دے تو تجلی نظر آتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

" وما کان بشران یکلمہ اللہ الاوحیا ومن ورائ حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء "

" کسی کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرے مگر تین طریقوں سے وحی کے ذریعہ، رسول کے ذریعہ یا حجاب سے۔ "یہ تینوں اسپیس ہیں حجاب بھی اسپیس ہے۔

وحی اسے کہتے ہیں کہ جو سامنے منظر ہو وہ ختم ہو جائے اور پردے کے پیچھے جو منظر ہو وہ سانے آجائے اور ایک آواز آتی ہے۔
فرشتہ کے ذریعہ یا رسول کے ذریعہ کے معنی یہ ہیں کہ فرشتہ سامنے آتا ہے اور اللہ کی طرف سے بات کرتا ہے۔
حجاب کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شکل سامنے آتی ہے اور اس طرح بات کرتی ہے جیسے کہ وہ اللہ تعالی ہے، حالانکہ وہ الہ تعالیٰ نہیں ہے، حجاب ہے۔

یہ وہ تین اسپیسس ہیں جن کی تفصیل قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا طور سے کہی ہے۔ یہاں جو کچھ مزید کہنا ہے وہ یہ کہ ہر فرد کو یہ توفیق ملی ہے اور بشر سے مراد جو انسان آدمی کی شکل میں ہے وہ بشر ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں پردے کے پیچھے ہیں۔ پردے کے اوپر نہیں ہیں۔ جب تک پردہ اٹھتا نہیں ہے یہ تینوں طریقے بیدار نہیں ہوتے۔ یہ تینوں شکلیں اس صورت میں میں ظاہر ہوتی ہیں جب انسان پردہ کے پیچھے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔
وحی کے بارے میں یہ نہ سمجھا جائے کہ وحی صرف انبیاء پر آتی ہے۔ وہ خاص ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ میں نے مریم کی طرف وحی بھیجی، میں شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجتا ہوں، شہد کی مکھی نبی نہیں ہے۔ یہاں یہ بات قابل بحث ہے کہ حضرت مریم پر جب بھی نازل ہوتی تھی تو اس کے ساتھ پھل، پھول، انگور وغیرہ آتے تھے جنہیں کھا کر وہ اپنی زندگی گزارتی تھیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ عام وحی میں کھانے پینے کی چیزیں بھی شامل ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت مریم نبی نہیں تھیں۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔

اسپیس کی بات ہو رہی تھی۔ یہ سب چیزیں بھی اسپیس کہلائیں گی۔ انسان یا حیوانات یا جمادات یا نباتات، سب اسپیس میں ہی ابھرتے ہیں، اسپیس میں حرکت کرتے ہیں اور جو چلتے پھرتے جانور ہیں جن میں انسان شامل ہے وہ اسپیس میں سانس لیتے ہیں۔ یوں کہئے کہ اسپیس کے اندر جڑے ہوئے ہیں وہ اپنے بدن کو اسپیس سے چھڑا نہیں سکتے مگر ایک صورت ہے کہ وہ اسپیس کی دوسری سمت، ظاہری سمت سے باطنی سمت کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس بارے میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:

موتو قبل انت موتو

اب ہمارے سامنے مرنے کے بعد کی سمت آجاتی ہے یعنی انسان ظاہری شکل سے باطنی شکل میں چلا جاتا ہے جسے موت کہتے ہیں۔ اگر زندگی کے درمیان اس پر قابو پالیا جائے تو اس پر وہ راز کھل جاتا ہے جو مرنے کے بعد کھلتا ہے یا مرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اسپیس کی باطنی سمت میں برزخ بھی ہے، حشر بھی ہے، دوزخ بھی ہے، جنت بھی ہے اور اعراف بھی ہے۔ اسپیس کے باہر جو سمتیں ہیں وہ سب سمتیں علم ناسوت کے پردے میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ہم بولتے ہیں مگر مرنے کے بعد بول نہیں سکتے۔ تو یہ بولنا کہاں سے آتا ہے؟ یہ ایک الگ اسپیس ہے۔ ہم بہت ساری ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کا نام ہم زندگی رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر ہم انسان کو لاش کہتے ہیں۔ یہ سب اسپیس کے کرشمے ہیں۔

مناظر

ہر چیز کے ڈائی مینشن Dimension ہوتے ہیں چاہے درخت ہو، جانور ہو یا انسان ہو، پرندہ ہو، زمین ہو، زیارہ ہو، خلائی دنیا ہو کچھ بھی ہو وہ ہماری آنکھوں کی اسپیس اور مناظر کی اسپیس دونوں کو مل کر بنتا ہے۔

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اندھیرے میں بعض لوگوں کو کچھ مناظر نظر آتے ہیں۔ یہ مناظر اندھیرا اور آنکھوں کی اسپیس سے بنتے ہیں۔ کبھی کبھار مناظر دن میں جاگنے کی حالت میں بھی نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے مگر ہوتا تو ضرور ہے۔ اندھیرے میں یا اجالے میں یہ چیزیں پردے کے پیچھے نظر آتی ہیں۔ یہ ڈر، خوف، امید یا آس پر معلق ہیں۔ اگر کوئی شخص اکیلا جنگل سے گزرتا ہے اور کسی جگہ پر اسے اکیلے پن کا احساس ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں میں خوف کی اسپیس بن جاتی ہے۔ اسے اندھیرے میں ایسے ایسے مناظر دکھائی دیتے ہیں جو ظاہری طور پر ہستی نہیں رکھتے۔ خوف کی اسپیس میں اتنی گہرائی پیدا ہوجاتی ہے کہ جو شکل نظر آتی ہے وہ واضح اور ڈائی مینشن کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح امید کی اسپیس میں بھی ویسی ہی گہرائی ہوتی ہے جو جاگنے کی حالت میں اجالے میں واضح مناظر دکھاتی ہے۔

وہ امید کی اسپیس ہے جو نسلوں کو جنم دیتی ہے، درخت اور پتوں کو اگاتی ہے، سیاروں اور ستاروں کو آنکھوں کے سامنے لاتی ہے۔ امید کی اسپیس مقابلتاً خوف کی اسپیس سے زیادہ طاقتور ہے۔

جب ہمارے دماغ میں امید کی اسپیس پیدا ہوتی ہے تو بینائی نظر کو اس طرح پھراتی ہے کہ درختوں میں پھول اور پھلوں میں رنگ نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے درختوں میں پھول اور پتے نظر آنے لگتے ہیں۔ اس اسپیس میں ایک تسلسل ہوتا ہے۔ یہ تسلسل صدیوں تک قائم رہتا ہے، کبھی برسوں تک رہتا ہے، کبھی مہینوں تک رہتا ہے، کبھی گھنٹوں تک رہتا ہے اور کبھی منٹوں اور سیکنڈوں ختم ہوجاتا ہے۔ اگر امید کی اسپیس میں تسلسل نہ ہوتا تو دنیا میں تبدیلی نظر نہ آتی۔ اسکے برخلاف خوف کی اسپیس صرف پردے کے پیچھے بتاتی ہے، ذہن کے اوپر ایسا اثر کرتی ہیکہ سب حواس ایک طرف لگ جاتے ہیں ایسی حالت جاگنے میں بھی ہوتی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ اس حالت میں تسلسل ہوتا ہے۔ خوف ایک اسپیس ہے جو ذہن کے اندر داخل ہوکر نظروں کو بھراتی ہے اور حواس کو مفلوج کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس اسپیس میں جو کچھ ہے اسے ہم دیکھتے ہیں۔ اس کو کھاتے ہیں، اس کو پہنتے ہیں، اسی کو سونگھتے ہیں، اسی کو سوچتے ہیں۔ اس طرح اس کے اندر گم ہوجاتے ہیں۔ گم ہونے کے بعد ایک خاص بات ہوتی ہے کہ یہ اسپیس زمانہ حال سے کٹ جاتی ہے۔ کبھی مستقبل میں یا کبھی کبھار زمانہ حال میں بھی لے جاتی ہے۔ جہاں زمانہ حال میں لے جاتی ہے تو وہاں وقت کا فرق نہیں رہتا۔ صرف جگہ کا فرق ہوتا ہے، صرف جگہ بدل جاتی ہے۔ پھر وہ ایک ہزار میل ہو کہ دو ہزار میل جب کٹ کے ماضی میں جاتا ہے تو وقت اور فاصلہ دونوں بدل جاتے ہیں۔ پھر تو وہ ایک سو سال پہلے یا پانچ سو سال پہلے یا ک ایک ہزار سال پہلے ہو، جب وہ مستقبل میں لے جاتی ہے تو وقت اور جگہ دونوں بدل جاتے ہیں اس اسپیس کی گہرائی میں اتنی زیدہ طاقت ہے کہ انسان پرانے زمانے میں یا آنے والے زمانہ میں عملی طور پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک عمر گزار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک انسان ماضی میں چلا جاتا ہے۔ پانچ سو سال پہلے کے انسانوں میں کھاتا ہے، پیتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے، شادی کرتا ہے مگر اس اسپیس میں تسلسل ہونا شرط ہے۔ جب تسلسل ہوجاتا ہے تو انسان ماضی میں مستقبل میں پچاس سے سو سال بھی گزار دیتا ہے مگر ماضی یا مستقبل دونوں سے جب واپس آتا ہے تو اسی سیکنڈ میں آتا ہے جس سیکنڈ میں گیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کسی اسپیس میں ٹائم نہیں ہے۔ اور ہر اسپیس کا ٹائم الگ الگ ہے۔

خوف کی اسپیس سے مراد دنیا کا خوف نہیں آپ یہ بالکل خیال نہ کریں کہ اس کے دل میں دنیا کے نفع نقصان کا خوج ہے۔ اسے اللہ کا خوف ہے یعنی اس ان دیکھی طاقت کا خوف ہے جسے اس نے دیکھا نہیں ہے۔ دنیا کے نفع ونقصان کے خوف کو خوف نہیں کہا جاسکتا۔ وہ تو ایک قسم کی کمزوری ہے جو دنیا کے نفع نقصان کی صورت اپنا لیتی ہے۔ حقیقت میں خوف ان دیکھی طاقت کا خوف ہے یہ خوف ہی ایسی اسپیس ہے جو انسان کو پردہ کے پیچھے لے جاتی ہے اور بہت چیزیں بتاتی ہے۔

عالمِ ناسوت (مادی دنیا) میں خوف کے اندر تسلسل بہت کم ہوتا ہے مگر امید میں تسلسل بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یادداشت دونوں حالتوں میں کچھ نہ کچھ کام کرتی ہے۔

یادداشت خود ایک الگ اسپیس ہے، جس میں خوف اور امید کے اندر مستقبل میں ہونے والی سب اشیاء کی تحریر ہوتی ہے مگر سب چیزیں یادداشت واپس نہیں کرتی۔ کبھی کبھار تو اچانک کوئی چیز یاد آجاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کے باوجود بھی کچھ یاد نہیں آتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یادداشت کی اسپیس میں ارادے سے ہمیشہ ایسی حرکت نہیں ہوتی ہے جس سے کہ سب تحریریں سامنے آجائیں۔ اکثر اوقات گہرائی میں جب یادداشت کی اسپیس حرکت کرتی ہے تو اسے طاقتور محرک کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر طاقتور محرک نہ ملے تو یادداشت کی اسپیس حرکت نہیں کرسکتی۔ نتیجتاً یادداشت کی اسپیس حرکت نہیں کرتی جو موجود ہے مگر ایک بات اور بھی ہے کہ یادداشت کی اسپیس امید کی حالت میں زیدہ تسلسل رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بات کے بعد دوسری بات، ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ اور ایک فعل کے بعد دوسرا فعل سامنے آتا رہتا ہے۔

جملوں کو جوڑنے والا دماغ کا گیٹ ان افعال کو جوڑ کر ایک معنی پیدا کرتا ہے۔ اس معنی سے ایک قابلِ قبول بات پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ یادداشت میں ہر بات کا الگ الگ (Record) ہوتا ہے مگر دماغ کا گیٹ انہیں جملے کی شکل دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ایک کتاب میں عموماً ایک مضمون ہوتا ہے یعنی کہ ہنر کے لحاظ سے ایک کتاب ایک مضمون کے بارے میں لکھی جاتی ہے حالانکہ یادداشت کی اسپیس میں بہت سارے مضمون ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتابوں میں ابواب رکھے جاتے ہیں جن میں پیراگراف ہوتے ہیں۔ دماغ کے (Gates) کتنے ہچکیاں لوں کو جوڑ کر ایک جملہ بناتے ہیں۔ یہ جملہ ایک محدود لمبائی کا ہوتا ہے۔

اسے اس سے زیدہ لمبا کرنا دماغ کے گیٹ کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ایسے دماغ کے (Gates) جودخان کی کیفیت پیدا کرتے ہیں ان کا اثر دھویں کی طرح پھیل جاتا ہے۔تو جہاں تک دھواں پھیلتا ہے اور اس طرح پھیلتا ہے کہ حافظہ کو سمجھنے والا ذہن اسے پڑھ سکے اور سمجھ سکے اور اس کے بعد بھی وہ تحریر اپنی جگہ قائم رہے۔

اگر وہ تحریر کو یادداشت سے ایک مرتبہ واپس لینا چاہے تو ملے گی اور اگر ایک ہزار دفعہ واپس لینا چاہے تو بھی ملے گی۔اگر یادداشت تحریر کو واپس نہیں کرتی یا جملہ کا آگے بڑھانا مشکل لگتا ہے تو ذہن وقف کی علامت سے کام لیتا ہے جو اسے جملہ پورا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔یہ یادداشت کی طاقت کو بڑھا کر جملہ میں تبدیل کرتے ہیں اور یادداشت اس جملہ کو پڑھ سکتی ہے۔

یادداشت کی اسپیس صرف یہ کام ہی نہیں کرتی مگر وہ اس اسپیس کے ریکارڈ کو تہہ کر کے جمع کرتی رہتی ہے اور مائیکروفلم کی شکل دے دیتی ہے۔یادداشت کی اسپیس کا دیگر کام یہ بھی ہے کہ ضرورت پڑنے پر مائیکرہ فلم کو فوراً اِنلارج (Enlarge) کردے، پھر دماغ کا گیٹ جملہ کی صورت میں اسے پڑھ سکے۔

یادداشت کی اسپیس کا تیسرا کام اسے (Gates) میں تقسیم کرنا ہے،یعنی وہ الٹا کرتی ہے نتیجہ سے فعل میں لاتی ہے، فعل سے حرکت میں، حرکت سے احساس میں، احساس سے خیال میں اور خیال سے وہم میں۔وہم میں آنے کے بعد وہ علامات وقف کی شکلیں لے لیتی ہیں اور اس سے جملہ کی منشا صرف رنج یا خوشی کو بھول جانے کی ہوتی ہے۔

یادداشت کی اسپیس کا چوتھا کام یہ ہے کہ وقف کی علامت وغیرہ کو وہم میں اور وہم سے خیال میں، اور خیال سے احساس میں، احساس سے حرکت میں اور حرکت سے عمل میں تبدیل کرتا ہے۔یہاں تک صرف ماضی کے ساتھ رشتہ ہے۔ماضی یعنی کچھ سیکنڈوں پہلے کا زمانہ حال۔یہاں یادداشت کی اسپیس جو علامات وقف لگاتی ہے اس کی معنی صرف استعجاب اور سکوت، خاموشی ہے۔

یادداشت کی اسپیس کا پانچواں کام یہ ہے کہ وہ مستقبل کے متعلق خیالات کو چھیڑتی ہے اور پھیلاتی ہے۔چھٹا کام یہ ہے کہ یادداشت چھٹی حس بھی پیدا کرتی ہے۔جو اس طرف کے دماغ کے مختلف (Gates) کو جمع کر کے ایک جملہ بنادیتی ہے جس کے کچھ معنی ہوتے ہیں اور اسی حس کو چھٹی حس (Sixth sense) کہتے ہیں۔یہ کوئی غیب کا علم نہیں ہے مگر ہر انسان میں اس طاقت کی ہستی موجود ہے۔یہ صرف حافظہ کی اسپیس کا کرشمہ ہے۔

اسپیس کی تقسیم

قدرت ے جب کائنات بنایا تو میرا خیال ہے کہ سب سے اول قدرت نے کاربن (Carbon) کو بنایا جسے قرآن پاک میں "دخان" کا نام دیا گیا ہے۔مگر یہ دخان وہ دھواں نہیں جسے ہم دھواں کہتے ہیں مگر ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔
اگر قدرت اس دھوئیں کو نہ بناتی جسے ہم کاربن کہتے ہیں تو شاید کائنات نہ ہوتی اور دوسری بات یہ ہوتی کی قدرت شاید کائنات کی بنیاد کسی اور چیز سے ڈالتی۔بہر حال یہ بات قدرت کو ہی معلوم ہے کہ اس نے کائنات کی بنیاد کے لئے کاربن کو کیوں پسند کیا ہے۔اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس کی ایسی جالی بنتی ہے جو جالی باقی جتنے ایٹم ہیں ان کو پھیلا کر الجھا دیتی ہے کاربن کی ہی جالی ہے جس میں تمام ایٹم جمع ہو جاتے ہیں۔کاربن کے علاوہ کوئی ایٹم ایسا نہیں ہے جو اکیلا (individual) نہ ہو اور الگ الگ نہ رہے۔ایٹم الگ الگ رہنے کے یہ معنی ہوئے کہ کائنات کی کوئی صورت، کوئی شاخ، کوئی شکل باقی نہ رہتی۔صرف چھٹے ایٹم یعنی کاربن نے دیگر ایٹموں کو جمع کر کے مختلف شکلیں بنائیں۔اسی سے ہی الیکٹروں یا اس سے بھی چھوٹا حصہ اگر ہے تو وہ بھی جمع ہوا اور اس طرح جتنے بھی الیکٹروں یا پرٹان جو کچھ ہوں سب کو کاربن ہی جمع کر کے رکھتا ہے۔کاربن کے علاوہ کوئی بھی ایسا ذریعہ نہیں ہے جو کائنات کو اکٹھا رکھے اور کائنات کی ساخت میں کام کرے۔یہ نہ بھولیں، یہ بات میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایٹم صرف ایک (Behaviour) ہے جو کہیں نہ کہیں ہوتا رہتا ہے۔اسے واقعہ Event بھی کہہ سکتے ہیں یعنی کہ درخت کا سامنے ہونا بھی ایک واقعہ ہے۔کسی پہاڑ کا قدرت میں وجود پایا بھی ایک واقعہ ہے۔کسی پہاڑ کا قدرت میں وجود پانا بھی ایک واقعہ ہے کسی انسان یا جانور کا موجود ہونا بھی ایک واقعہ ہے۔کسی ستارہ یا کہکشاں کا نظام، سیاروں کے نظام کا موجود ہونا بھی ایک واقعہ ہے۔
قدرت نے کائنات کی بناوٹ میں کاربن کو ہی کیوں استعمال کیا اس کا علم قدرت کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔اس طرح قدرت کے کروڑوں بھید چھپے ہوئے ہیں جن کو نہ انسان جانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔
موجودہ حالات کے مطابق جو کچھ بھی موجود ہے اس کی بنیاد کاربن کے اوپر ہے۔تصوف کی اصطلاح میں ایٹم کو نسمہ (Nasma) کہتے ہیں۔میں اسے ایٹم ہی کہوں گا اس لئے کہ نسمہ ہر فرد کی سمجھ میں نہیں آتا۔
جب کاربن کے ایٹم نے جال کی شکل اختیار کی تو کائنات کی بنیاد پڑی۔جسے سائنس دان نیبولا (Nebula) کہتے ہیں وہ درحقیقت کاربن ہی کا بنا ہوا ہے۔جس قسم کے بھی ایٹم ہوں اس جتنے بھی ہوں سب اسی کے کے تحت ہیں۔اس کاربن سے ایک نورانی شعاع نکلتی ہے جو کہ کاربن سے الگ ہے مگر کاربن کی وہ نورانی شعاع جسے سائنس دان فوٹان (Photon) کہتے ہیں اس کا مخرج اور خاصیت ایک ہی ہے مگر اس کے راستے الگ الگ ہیں۔کارن جب نیبولا سے پھیلتا ہے مختلف قسم کے ایٹم بناتا جاتا ہے۔اب یہ ائٹم اینڈرومیڈا (Andromida) تک فوٹان سے الگ نہیں ہوتے مگر فوٹان کے ساتھ رہتے ہیں اور فوٹان میں اران میں فرق نہیں ہوپاتا۔
اینڈرومیڈا کی اسٹیج گزر جانے کے بعد ایٹم اور فوٹان الگ الگ ہو جاتے ہیں۔یہ بات آپ کو بتائی جا چکی ہے کہ تصوف میں ایٹم کو نسمہ کہتے ہیں اور تصوف میں فوٹان کہ جو نام دیا گیا ہے وہ "عارض" ہے۔یہ دونوں نام آپ کے کانوں میں اس لئے ڈالے گئے ہیں کہ آپ کو ساتھ ساتھ علم ہو جائے کہ تصوف میں یہ دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔جن کے معنی فوٹان اور ایٹم پورے نہیں کر سکتے۔مگر مثال دینے کے لئے مجبوراً فوٹان اور ایٹم استعمال کئے گئے ہیں۔نسمہ، ایٹم سے قریب تر ہے تفصیل اس بات کی یہ ہو رہی تھی کہ اینڈرومیڈا تک فرق نہیں نکالا گیا تھا کہ ایٹم اور فوٹان الگ الگ ہیں۔فوٹان کے خواص میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ڈائی مینشن نہیں ہوتے اور وہ اتنے تیز رفتار ہوتے ہیں کہ جہاں سے رواں ہوئے پل بھر میں کائنات کا چکر لگا کر واپس وہیں آجاتے ہیں۔یہ حقیقت میں عارض کی خاصیت ہے۔
فوٹان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ سائنس دانوں نے کیا فیصلہ کیا ہے مگر عارض کے بارے میں یہ بات یقینی ہے کہ وہ جس جگہ سے جس پل میں چلتا ہے اسی پل میں کائنات کا دورہ پورا کر کے اپنی جگہ پہنچ جاتا ہیفوٹان کی تعداد سے پوری کائنات بھری پڑی ہے۔اب نسمہ کی بات کریں جسے ایٹم بھی کہتے ہیں۔وہ جب نیبولا سے چلتا ہے تو اپنے خواص ساتھ لے کر چلتا ہے۔معنی یہ ہوئے کہ کائنات میں جتنے بھی ایٹم ہیں سب اس کے Behaviour ہیں یا یہ بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام ایٹم کاربن کی تقسیم سے بنتے ہیں۔
یہ بات یاد رکھئے! قرآن میں کاربن کی جگہ لفظ "دخان" استعمال ہوا ہے۔دخان کو تصوف میں "روفان" کہتے ہیں۔یہ سب کچھ جو میں نے لکھا ہے اسپیس کی تقسیم کے بارے میں ہے۔جب کاربن سے دیگر سینکڑوں ایٹم بنتے ہیں تو ان کے خواص بھی مختلف ہو جاتے ہیں مگر اس بات کا خیال رہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑی ہیں جسے دخان کہا گیا ہے یا کاربن کہتے ہیں یا روفان کا نام دیا گیا ہے اور یہی ایٹم کائنات کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔
یہاں یہ فرق پھر بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ فوٹان میں ڈائی مینشن نہیں ہوتے۔فوٹان ہر شئے کے آر پار گزر جاتا ہے۔چاہے وہ چیز کتنی ہی ٹھوس کیوں نہ ہو چاہے وہ پتھر ہو، دھات ہو، پانی ہو یا کیچڑ ہو، ہر چیز سے گزر جاتا ہے۔اس کے راستے میں کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔
(فوٹان)
عارض کے اقسام بھی ہیں۔کچھ اقسام میں بتا دیتا ہوں جو ضرری ہیں۔ایک عارض وہ ہے جو کاربن سے الگ ہو کر نیبولا سے ملتا ہے۔ایک عارض وہ ہے جو کاربن کو چھوتا ہے اور چھو کر الگ ہو جاتا ہے پھر اس کی لہر دوسری ہو جاتی ہے اور وہ دوسرے راستے کے اوپر چلتا ہے۔جو بار بار کاربن کو چھوئے وہ تیسرے لہر ہے اور اس کا راستہ بھی

الگ ہے، مگر وہ اس دائرے میں چلتا ہے جس دائرہ میں اول اسر دوسری لہر کے عارض چلتے ہیں ۔ ایک چوتھی قسم کے عارض بھی ہوتے ہیں جو گاربن کے ساتھ ہی چلتے ہیں اوران کا کوئی راستے معین نہیں، وہ اسی راستہ پر جائیں گے جس راستہ پر کاربن جائیگا۔

اب آپ کاربن کی تقسیم اوراس کی کچھ ذمہ داریوں کے بارے میں خیال کریں ۔کاربن سے جتنی قسم کے ایٹم بنیں گے وہ اس ہی نسمہ کی پیداوار ہیں جس ی تفصیل آ چکی ہے ۔اس کے جتنے بھی ایٹم بنیں گے سب کے ڈائی مینشن الگ ہوتے ہیں پھر چاہے ان کی تعداد کچھ بھی ہو سینکڑوں میں ہوں یا اس سے زیادہ، مگر ان میں ڈائی مینشن ضرور ہوں گے اوران کے Behaviour کردار بھی الگ ہوں گے۔ صرف Behaviour ہی نہیں کیفیات، (خواص اوراثر) بھی الگ ہوں گے ۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ سب کاربن کی وجہ سے جمع ہوتے ہیں ۔کاربن اتنا حساس Sensitive ہوتا ہے کہ اپنی کشش کے لحاظ سے جیسے چاہے اور جتنے چاہے ایٹم جمع کرلیتا ہے ان سے ایک شکل بن جاتی ہے اوروہ شکل بھی ڈائی مینشن رکھتی ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کاربن کے پیچھے قدرت کا ہاتھ نہیں ہے ۔کاربن قدرت کے ارادے کے ماتحت کام کرتا ہے۔

سمتیں نہیں ہیں

یاد رہے کہ اسپیس میں کوئی سمت نہیں ہے جیسا کہ ہمیں لگتا ہے مثال کے طور پر جنوب، شمال، مشرق، مغرب، اوپر نیچے وغیرہ ہمارے وسوسہ کی پیداوار ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لاشرقیہ ولا غربیہ

ان الفاظ میں سمتوں کا انکار ہے اور وہ ہمارے تخیل کا ہی نتیجہ ہیں یہی بتایا گیا ہے۔ حقیقت میں ہم غلط سمجھتے ہیں کہ اسپیس میں کوئی سمت موجود ہے۔ اب آپ یہ سوچیں کہ ایک عارض ایک ہی وقت میں چھ سمتوں میں پھرا کرتا ہے اور کائنات کی چھ سمتوں کو Cover کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال ریڈیو موجود ہے۔ اس میں دو سیٹ ہوتے ہیں ایک سیٹ آواز کو بجلی کی لہروں میں تبدیل کرتا ہے اور دوسرا سیٹ بجلی کی لہروں کو آواز میں تبدیل کرتا ہے۔ یہ دونوں سیٹ ایک جگہ پر نہیں ہوتے مگر ایک ٹرانسمیشن سٹیشن ہوتا ہے اور ایک ریڈیو Receiver ہوتا ہے۔ جب ہم بولتے ہیں تو ٹرانسمیشن اسٹیشن اسے ایسی لہروں میں تبدیل کرتا ہے جن کا تعلق کاربن والے فوٹان سے ہوتا ہے اور وہ چھ سمتوں پر پوری کائنات کا کونہ کونہ Cover کرلیتا ہے۔ یعنی کوئی نقشہ ایسا نہیں رہتا جس پر عارض کا اثر نہ ہو۔ اثر سے مراد ریکارڈ ہے جو سننے کے ساتھ ہی غائب ہو جاتا ہے۔ ریکارڈ ریسیونگ سیٹ کے عارض سے ٹکرا کر ساری کائنات میں پھیل جاتا ہے اور ہم جہاں چاہیں سن سکتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک اسپیس نہیں مگر دو ہیں۔ ایک سننے کی اسپیس ہے اور ایک بولنے کی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس میں وقت موجود نہیں۔ بولنے کی اسپیس کے ساتھ جب تک سننے کی اسپیس ایک رہتی ہے وہاں تک ہمیں سنائی دیتا ہے۔ جب دونوں اسپیس الگ الگ ہو جاتی ہیں تو ہم سن نہیں سکتے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر فرد کی سننے کی اسپیس الگ ہے چاہے اس میں کتنے ہی افراد ہوں یا ایک پورا گروہ ہو۔ جب تک سب کی سننے کی اسپیس ایک ہے تو سب سن سکتے ہیں مگر یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ بولنے کی اسپیس اگر زیادہ ہوں یعنی ایک فرد سے زیادہ انسان بول رہے ہوں تو اسپیس کو فرد یا گروہ کے سننے کی اسپیس پکڑ میں نہیں لاسکتے۔ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ دونوں اسپیس سننے کی اور بولنے کی الگ الگ ہیں۔ یہ اسپیس جس طرح الگ الگ ہیں اسی طرح دیگر سب اسپیس بھی الگ الگ ہیں۔ پھر چاہے نیند ہو چاہے جاگنے کی حالت۔

جب نیند یا جاگنے کی حالت میں کچھ اسپیس اکٹھی ہو جائیں تو انسان پردے کے پیچھے دیکھنے لگتا ہے۔ کچھ اسپیس اکٹھی ہو جانے سے مراد دیکھنے کی اسپیس، سننے کی اسپیس، سونگھنے کی اسپیس، چکھنے کی اسپیس، بولنے کی اسپیس، اور سوچنے کی اسپیس وغیرہ ہیں۔ جب یہ سب اسپیس اکٹھی ہو جائیں تو ایک ایسی اسپیس بنے گی جو دماغ کے Gates کو کھول دیتی ہے جو پردے کے پیچھے دیکھ سکتی ہے۔ شروع شروع میں یہ غیر ارادی طور پر ہوتا ہے، مسلسل نہیں ہوتا۔ آہستہ آہستہ اپنے ارادے کے تحت دیکھنے لگتا ہے اور ان Gates کی آواز جو اوپن ہوں، سمجھنے لگتا ہے اور ساتھ ساتھ ان Gates کو کھولنے کی طاقت بھی حاصل کرلیتا ہے جو Gates جملے بناتے ہیں انہیں انسان سنتا ہے۔ دیکھنے والی اسپیس میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ شروع شروع میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسے سن بھی رہے ہوتے ہیں۔ اب اسے ماحول میں کاربن کی اسپیس کے اندر فرشتے نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر کاربن کی مقدار زیادہ ہوگئی ہو تو وہ دیکھتا ہے کہ فرشتے زمین پر بیٹھے ہیں اور کچھ مشورہ کر رہے ہیں۔ یہ مشورہ اسے سنائی دیتا ہے۔ اگر کاربن کی مقدار کم ہو تو وہ فرشتوں کو الگ الگ دیکھتا ہے ان کی بات چیت اس کے کان میں آتی ہیں اور "جو یہ" یعنی مترجم اس فرد کی زبان میں اس کا ترجمہ کردیتا ہے۔

یہ بات نوٹ کرلیں کہ جتنے رنگ ہمیں ماحول میں یا درختوں میں یا جانوروں میں یا انسانوں میں یا مٹی میں نظر آتے ہیں وہ سب کے سب کاربن کی ہی رنگ ہیں، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ کاربن اور عارض کا میدان مل کر ایک قسم کا (prism) (منشور) بن جاتا ہے۔ یہ رنگ سچے نہیں ہیں مگر پرزم کی کاریگری ہیں۔ دیگر الفاظ میں یہ کہ کاربن اور عارض سے مل کر جو میدان تیار ہوتا ہے اس میں رنگ ہی رنگ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ وہی رنگ ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں۔ رنگوں کا دارومدار ان ایٹوں پر ہے جو اکٹھے ہو گئے ہیں اور ڈائی مینشن بھی انہی ایٹوں کی مقدار سے متعلق ہوتا ہے جو اکٹھے ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی فرد کی آنکھیں بڑی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس شخص کی آنکھوں کے کاربن اور عارض سے جو اسپیس بنتی ہے وہ زیدہ ہے یعنی کہ ایٹوں کا جتھہ Cluster بڑا ہو گیا ہے اگر کسی شخص کی آنکھیں چھوٹی ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ اسپیس کم ہے۔

دانتوں کی اسپیس کا دارومدار بھی ایٹوں کی تعداد پر ہے۔ ان کی نرمی یا سختی، بڑا یا چھوٹا ہونا اس بات سے متعلق ہے کہ اس میں ایٹوں کی تعداد کتنی صرف ہوئی ہے۔ اگر کسی فرد کے دانت نہیں ہیں تو اس کے منہ کے مزہ میں فرق آجائے گا۔ اگر سب دانت مصنوعی ہیں تو اصل مزہ نہیں آسکتا جو اصل دانتوں سے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلی دانتوں کے مسوڑھوں میں ایٹوں کا مجموعہ ہوتا ہے، مگر مصنوعی دانت اپنے ایٹوں کو مسوڑھوں سے کچھ نہ کچھ حد تک الگ رکھتے ہیں جس سے ایک Gap پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل مزہ جاتا رہتا ہے۔

یہی مسئلہ کان کے ساتھ ہے۔ کان کے اندرونی پردے پر جو ایٹم روئیں کی شکل اختیار کرتے ہیں اگر کسی وجہ سے وہ کمزور ہو جائیں یا ضرورت سے زیادہ موٹے ہو جائیں تو جھنجھناہٹ Vibration میں خامی آجائے گی اور سننے میں یا تو رکاوٹ ہوگی یا بالکل نہیں سنا جاسکے گا۔

اس سے یہ ہوگا کہ Gates نے سن کر حافظہ یں جو ریکارڈ جمع کیا ہے وہ سسپنڈ Suspend ہو جائے گا یا رک جائے گا، اور نتیجہ کے طور پر حافظہ اس ریکارڈ کو واپس

نہیں دے گا جو دماغ کے پردے پر اتنا ہلکا آتا ہے کو دماغ کے حواس اسے پڑھ نہیں سکتے اور زبان اسے بول نہیں سکتی۔ایسا شخص گونگا، بہرہ کہلاتا ہے۔اگر بہرہ پن کسی طریقہ سے دور کیا جائے تو وہ بولنے بھی لگ جائے گا۔یہ علاج ذرا مشکل ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔

علاج

ایک کاغذ پر کان کی پوری تصویر بنائیں۔بیچ میں جس جگہ پر سوراخ (Oval window) ہے اسے کاٹ دیا جائے۔اب جتنی جگہ کاٹی گئی ہے اس تھوڑا بڑا کاغذ کا ٹکڑا لے کر اس ٹکڑے کے اوپر بالکل قریب قریب نقطے لگائیں، چاہے پینسل سے چاہے قلم سے۔اب اس ٹکڑے کو سوراخ کے نیچے رکھ کر گوند سے چپکا دیں۔پھر دونوں کان کاغذ پر چپکا کر ایک لفافہ میں ڈال دیئے جائیں۔اس لفافہ کو بٹر پیپر Butter paper کی تھیلی میں ڈال کر بٹر پیپر کا منہ بند کر دیا جائے (قبر جیسا بنا لیا جائے) اور اسے گونگے، بہرے شخص کے تکیے کے نیچے رکھا جائے جب وہ شخص لیٹے یا سوئے تو اسی تکیے پر اپنا سر رکھے۔انشاءاللہ کان ٹھیک ہو جائیں گے اور Sub Concsious کا ریکارڈ زبان بولنے لگے گی۔خیال رہے کہ یا سب اسپیس کان، ناک، ہاتھ، زبان وغیرہ نہیں مگر ایک سایا جو نورانی ہے اور نظر نہیں آتا اس سائے کو ہم چہرے کی شکل میں دیکھتے ہیں۔

ڈائی مینشن کاربن کی مقدار سے متعلق ہیں اس لئے کہ کاربن ایٹوں کو جمع کرتا ہے۔اس بات کا ایسے پتہ چلا کہ ہاتھ کی اسپیس رکت میں نہ آئے یعنی کہ وہ سایا جو کاربن کا بنا ہوا ہے اور نورائی ہے، ہاتھ سے ایک بال بھر بھی الگ ہو جائے تو ہاتھ نکمہ ہو جائے گا۔بیچ میں جو خلاء ہے وہ خلاء اگر اسپیس کی شعاعوں کو روک دے تو حواس میں بدن کی حرکت رک جائے گی۔اس درمیانی چیز کو نسمہ کہتے ہیں جو بدن کے چاروں طرف ایک فٹ لگا ہوا ہے۔اگر آدھے بدن کے حصے میں اس کا اثر ہو جائے تو فالج کہلائے گا۔یہ بات مثال دے کر سمجھائی جا رہی ہے۔یونانی خواص کی بات چیت ضروری نہیں۔

اب یہ سمجھئے کہ انسان وہ، یا جانور ہو، یا درخت ہو، یا پودا ہو، یا کوئی ستارہ ہو، یا کوئی سیارہ ہو وہ کاربن ہی کا بنا ہوا ہے یعنی اس میں ہزاروں تہیں ہوتی ہیں کبھی کبھار لاکھوں تہیں بھی ہوتی ہیں۔

کیڑا ایک چھوٹے سے چھوٹا جاندار ہے مگر وہ بھی ہزاروں تہوں کا بنا ہوا ہے۔یہ ساری تہیں اسپیس کی ہیں جس اسپیس میں کیڑے کا جسم ہے کیڑا وقت کا حساب لگاتا ہے پل دو پل، منٹ دو منٹ، گھنٹے دو گھنٹے، چار گھنٹے، چھ گھنٹے یا اس سے زیادہ مدت۔اس بات کو سمجھنے میں میں بہت باریکی ہے۔کیڑا ہر سیکنڈ میں دوسرا قدم، تیسرے سیکنڈ میں تیسرا قدم، چوتھے سیکنڈ میں چوتھا قدم اور پانچویں سیکنڈ میں جب پدم اٹھاتا ہے تو اب سمجھیں کہ وہ جوان ہو گیا۔سیکنڈ سے میری مراد وقت کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہے۔

اب آپ اندازہ کریں کہ ہمارا چھوٹے سے چھوٹا وقت کیڑے کے چھوٹے سے چھوٹے وقت سے کتنا بڑا ہے کیونکہ ہماری اسپیس زیادہ ایٹموں کی بنی ہوئی ہے۔ٹائم کی اس باریکی کو آپ ذرا سوچیں۔ہمارا بڑے سے بڑا وقت وہیل مچھلی کے چھوٹے سے چھوٹے وقت سے کتنا بڑا ہے۔شاید اب آپ وقت کی باریکی اور اس کا اسپیس سے رشتہ سمجھ گئے ہوں گے۔

دنیا کے اول دور میں ڈائنا سور Dinasaur اتنا بڑا جانور تھا کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے بچے کی معمولی خوراک یعنی کچھ لقمے تھوڑے سے ہاتھی بنتے تھے مگر نتیجے میں یہ زمین پر سے ختم ہو گئے۔اس لئے کو ان کے رہنے کے لئے اسپیس نہیں تھی۔

شروع شروع میں زمین پر جتنی اسپیس تھی وہ سب صرف ہو گئی جیسے جیسے ڈائنا سور کی نسل بڑھتی گئی اسپیس کم ہوتی گئی اور نتیجہ کے طور پر ڈائنا سور ختم ہے گئے۔موجودہ دور میں بھی بڑے بڑے جانور آہستے آہستہ ختم ہو رہے ہیں کیونکہ چھوٹے جانور اور انسانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔اب جتنی اسپیس ان کے استعمال کے بعد بچتی ہے اتنی اسپیس میں بڑے جانور پیدا ہوتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر ان کی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔مثال کے طور پر ہاتھی، گینڈا، شیر وغیرہ وغیرہ۔آخر میں کوئی نہ کوئی جنگ ایسی چھڑے گی جس میں انسان اور چھوٹے جانوروں کی تعداد کم سے کم ہو جائے گی۔اس لئے کہ اسپیس میں جب ان کی گنجائش نہیں رہتی تو اسپیس کا قانون انہیں ختم کر دیتا ہے جس طرح کہ بڑے جانور ختم ہو گئے۔

اسپیس کی وسعت

یہ تفصیل پہلے آچکی ہے کہ وقت بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے مگر اسپیس سے منسوب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل قرآن پاک میں مختلف مثالوں سے بتائی ہے۔مگر اس کی معنی یہ نہیں کہ مثالیں غلط ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب حضرت آدمؑ اور حوا نے نافرمانی کی تو انہون نے خود کو برہنہ محسوس کیا،معنی یہ ہوئے کہ وہ اعلیٰ اسپیس سے ادنیٰ اسپیس میں آگئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ میرا ایک دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔میرا ایک دن دس ہزار سال کا ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ میرا ایک دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔اس میں وقت نہیں مگر اس کے برعکس اسپیس کی تفصیل ہے اور یہ پچاس ہزار سال، دس ہزار سال اور ایک ہزار سال اسپیس سے منسوب ہیں یعنی کہ ان کا اسپیس کے ساتھ رشتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوم کے لفظ سے ان تمام اسپیسوں کی تفصیل کردی ہے جو خوف اور امید سے مبنی ہیں۔اس لئے کہ یہاں "یوم" لفظ استعمال ہوا ہے۔مگر پورے سورۃ " قدر" میں جہاں لیلۃ القدر کا ذکر ہے وہاں اس کی مدت ایک ہزار مہینہ کے برابر بتائی گئی ہے یہ مثال تو ہے مگر غلط نہیں۔اس کے پردے میں بہت سارے بھید سمائے ہوئے ہیں۔ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن پاک کو شبِ قدر میں نازل کیا، جب کہ قرآن پاک کو نازل ہونۓ میں تئیس 23 برس لگے ہیں۔اس میں اسپیس کا ذکر ہے وہ اسپیس جس میں قرآن پاک نازل ہوا تئیس 23 سال کے برابر ہے یعنی ایک رات کے مقابلے میں تئیس 23 سال کی مدت منسوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تیس 30 راتوں کے لئے بلایا تھا اور چالیس راتوں تک کوہِ طور پر رکھا۔یہاں پر صرف راتوں کی اسپیس کا ذکر ہے۔دن کی اسپیس ان میں شامل نہیں ہے۔حد تو یہ ہے کہ حضورﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ قیامت کا وقت کتنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"اے رسول! ان سے کہہ دو کہ پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی کم۔"

اب یہ وقت بھی اسپیس سے منسوب ہے یعنی کہ اسپیس کی وسعت کے اعتبار سے وقت کی نفی ہے۔ٹائم کی ہستی اسپیس کی وجہ سے ہے۔اسپیس کی وسعت جتنی زیادہ ہوگی وقت اتنا ہی کم ہوگا۔ٹائم کی بذاتِ خود کوئی ہستی نہیں ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ناظر اور منظور، شاہد اور مشہود کا اسپیس کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ شاہد سے مراد ہماری آنکھیں جن سے ہم دیکھتے ہیں، اگرچہ ایک ہی اسپیس کے دو حصے ہیں اب حواس بھی اسی طرح ہوتے ہیں۔حواس کی اسپیس الگ الگ ہوتی ہے دیکھنے کی اسپیس میں ہم قریب کی چیزوں کو صاف دیکھتے ہیں اور دور کی چیزیں چھوٹی اور ہلکی نظر آتی ہیں یا بالکل نظر نہیں آتیں۔ایسا کیوں؟ یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسپیس کی وسعت بہت ہی زیدہ ہے مگر وقت کی وسعت جو اسپیس سے منسوب ہے بہت کم ہے۔

مثال:

اگر ہمارے ہاتھ میں اخبار ہے تو ہم آنکھوں کی اسپیس کا استعمال کرسکتے ہیں اور تیسری اسپیس بولنے کی شامل کرکے آواز سے پڑھ سکتے ہیں اگر ہم آواز سے نہیں پڑھیں گے تو صرف پڑھنے کی اسپیس استعمال ہوگا۔اگر چھونے کی اسپیس کچھ فاصلہ پر ہو تو آنکھوں کی اسپیس کو کیڑے مکوڑے نظر آئیں گے اور صحیح پڑھا نہیں جائیگا یعنی کہ حرفوں کی شکلیں غائب ہوجائیں گی۔اگر چھونے کی اسپیس مزید دور ہوجائے تو الفاظ بالکل غائب ہوجائیں گے اور اخبار کا صفحہ بالکل کورا نظر آئے گا۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسپیس الگ الگ ہیں۔

..........جاری..........

ناسوت کی غمگین وسعتیں

فکراورغم "انرسیلف "(Inner self) کو ہروقت پریشان رکھتا ہے۔ہم صرف تھوڑی دیر کے لئے اسے بھولنا چاہتے ہیں اوراسی لئے ہنستے ہیں۔ہمیں اس حقیقت پر تفکر کرنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟یا اس لئے ہوتا ہے کہ ہمارے افعال غیر انسانی ہیں۔اگر ہمارے افعال انسانی ہوتے تو ہماری موجودہ حالت اس سے مختلف ہوتی۔ہمیں ان سب باتوں کی چھان بین کرنی چاہئے جس سے اصلیت صاف ہوجائے اور پردے کے پیچھے جو کچھ ہے وہ ہمارے سامنے آجائے۔اگر ہم اسی طرح بے پرواہ رہیں گے تو نتیجہ اچھا نہیں ملے گا۔

مثال کے طور پر ہماری سوچ کہ دنیا ایسی ہی ہے اور ایسی ہی رہیگی۔دنیا میں انسان ایسے ہی چلا جاتا ہے۔آرام اور رنج ساتھ رہتے ہے،اس کے بغیر ایک دوسرے کا فرق نہیں ہوسکتا۔ہم اس منطق سے اپنے ضمیر کو سمجھاتے ہیں مگر کیا ہم نافرمانی اور ظلم کر کے اور غیر انسانی افعال کر کے سکون پا سکتے ہیں؟ کیا ہمارے ضمیر کو اس طرح سکون ملے گا؟ کیا ہمارا ضمیر اس منطق سے الجھن میں نہیں پڑ جاتا؟ کیا آپ ضمیر سے پیچھا چھڑانے کے لئے نہیں بھاگتے؟ کیا ضمیر کو جھٹلانے کے بعد بھی انسان وہی رہتا ہے جو پہلے تھا؟ کیا انسانیت میں کچھ فرق نہیں آتا؟ کیا آپ غیر انسانی کاموں کو رنگینیوں کے ذریعہ چھپانے کی کوشش نہیں کرتے؟ رنگینیوں سے مراد زبان پر کچھ ہو اور دل میں کچھ اور ہو۔اس کے باوجود بھی آپ دوسروں کے ان افعال کا مذاق اڑاتے ہیں جو آپ خود کرتے ہیں کب یہ ٹھیک ہے؟

یہ تو جملہ معترضہ تھا ویسے ہی بات آگئی اس لئے لکھا گیا اس کا مطلب کسی کے اوپر اعتراض کرنے کا نہیں ہے۔

ادنیٰ اسپیس کی تفصیل ہو رہی تھی کیونکہ ادنیٰ اسپیس ہمارے دماغ کے بارہ کھرب (Gates) میں موجود ہے۔مگر اس کا رشتہ اعلیٰ اسپیس کے ساتھ بھی ہے جب ہمیں کچھ معمولی سا وہم ہوتا ہے تو اس کی گہرائی میں دوسرا گیٹ ہے اور پھر تیسرا یعنی خیال اور احساس دونوں (Gates) اس کی گہرائی میں موجود ہیں اور دوسری گہرائی میں حرکت،عمل اور نتیجہ ہیں۔یعنی کہ یہ تینوں (Gates) گہرائی اور اس کی گہرائی میں ہیں۔آخری گیٹ "کن" کی اسپیس سے جا کر ملتا ہے۔ہم وہم کو صرف وہم سمجھ کر رد کردیتے ہیں۔حالانکہ اس کی گہرائی میں خیال اور احساس کے (Gates) ہیں اور ہر گیٹ کے بعد گیٹ اس طرح نتیجہ تک پہنچ کر اعلیٰ اسپیس سے جا ملتے ہیں۔ہم اکثر یہ کہتے ہیں کہ "چھوڑ یہ وہم ہے" مگر اس کی گہرائی میں یقین،بھروسہ بھی ہے جو" کن" کی اعلیٰ اسپیس سے جا ملتا ہے۔اگر ہم اسے بیچ میں چھوڑ دیں تو جس چیز کے بارے میں ہمیں وہم ہوا ہے وہ ادھورا رہ جائے گا۔یا کچھ گہرائی میں جا کر ہم اس خیال کو رد کردیں گے جواب تک وہم تھا یا احساس کے درجہ میں رد کردیں گے یا حرکت یا عمل کے درجہ میں کسی نہ کسی طرح رد کردیں گے۔اگر سوچیں تو یہ بات سمجھ میں آجائیگی کہ ہماری ناکامی کی صرف یہی وجوہات ہیں۔جب تک ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے وہم اعلیٰ اسپیس سے منسوب نہیں ہوتا اور" کن فیکون" کی بات اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب اس آیت کا کام پورا ہوجائے۔اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

انما امرہ اذا اراد شیءً ان یقول کن فیکون O

یعنی اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے ہوجا اور وہ چیز ہوجاتی ہے۔

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اذا اراد شیءً جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی ایک چیز کا،زیادہ چیزوں کا نہیں۔کتنی ہی چیزوں کا وہم یا خیال آتا ہے تو سارے (Gates) اوپن ہوجاتے ہیں جو اشیاء سے منسوب ہیں،آپس میں ٹکراتے ہیں۔ٹکرانے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی گیٹ (open) رہتا ہے اور کوئی (close) ہوجاتا ہے۔یہاں اللہ تعالیٰ خاص کر "امر" کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ارادہ ہونا چاہئے ایک چیز کا نہ کہ بہت ساری چیزوں کا۔اگر ایک ہی وقت پر ایک چیز خیال میں آئے تو اسے رد کرنے والی اور کوئی چیز نہیں آنی چاہئے یعنی کہ پہلے ہاں کہنا،پھر نہ کہنا یہ اصول ہی غلط ہے۔یہ دراصل قرآن پاک کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو قانون بنایا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میری سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف اللہ کی سنت جاری اور قائم ہے اس کی مخالفت کرنے والا کامیاب نہیں ہوسکتا۔آپ کو ان باتوں کا پتا چل گیا ہوگا کہ ادنیٰ و اعلیٰ اسپیس میں ایک رشتہ ہے ایک ربط ہے،ایک وابستگی ہے۔ادنیٰ اسپیس اعلیٰ اسپیس کے بغیر پائم نہیں رہ سکتی۔ہر ادنیٰ اسپیس،اعلیٰ اسپیس کے ساتھ منسوب ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے ہادی اور رہنما آئیں گے۔اگر آپ ان کے کہنے کے مطابق عمل کریں گے تو آپ کو آپ کے آباواجداد کا وطن واپس کردیا جائے گا جو یقیناً جنت ہے۔اس کی گہرائی میں یہی معنی چھپے ہوئے ہیں کہ ادنیٰ اسپیس،اعلیٰ اسپیس سے منسوب ہے یعنی کہ عالمِ ناسوت (حاضر یا مادی دنیا) سے جنت میں جانے کا راستہ کوئی بھی ہو چاہے علیین کا ہو چاہے محشر کا ہو ایک رشتہ ہے،ایک راستہ ہے اور ایک وابستگی ہے۔

عالمِ ناسوت (حاضر یا مادی دنیا) ادنیٰ اسپیس ہے جنت اعلیٰ اسپیس ہے۔ان دونوں (Spaces) کی کیفیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ اور جناب حوا نے نافرمانی کی تو ان کو احساس ہوا کہ وہ برہنہ ہیں۔

.... جاری ....

دماغ

اگر آپ کسی شخص کے دماغ کی کسی مخصوص رگ میں سوئی چبھوئیں گے تو دماغ کے جس گیٹ کے وہ نزدیک ہوگی وہ گیٹ اوپن ہو جائے گا۔ وہ شخص ہنسنے لگے گا اور ہنستا ہی چلا جائے گا۔ بالکل اسی طرح اگر رونے والے گیٹ میں باریک پن چبھائی جائے تو وہ فرد رونے لگے گا اور جب تک وہ گیٹ اوپن رہیگا اس کا رونا جاری رہے گا۔ کچھ لوگ بلاوجہ ہنستے نظر آتے ہیں ان پر ہنسنے کا موڈ چھایا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ سوچنے کی اسپیس Gates کو حرکت دیتی ہے اور کلوز کرتی ہے۔ یہ حالت صرف زندگی میں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسپیس میں کوئی الیکٹران اپنے مرکز سے الگ ہونے کے لئے جمپ لگاتا ہے تو باہر سے کوئی الیکٹران اس جگا کو پر کرنے کے لئے آگے آجاتا ہے جب الیکٹران کے یہ فعل یعنی باہر کی طرف جمپ لگانا اور دوسرے الیکٹران کا اس کی جگہ لینا اسپیس کے اندر رونے یا ہنسنے والے Gates کو یا سنجیدہ کرنے والے Gates کو یا دیکھنے والے Gates کو یا سونگھنے والے Gates کو حرکت دیتا ہے تو اس حرکت سے جو نتیجہ ملتا ہے اسے ہم بولنا، سونگھنا، ہنسنا، رونا وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔

مثال:

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب ہم کسی مرحوم رشتہ دار کو یاد کرتے ہیں تو جس قسم کی حرکت ہوتی ہے یا حرکت ایسی ہوتی ہے کہ وہ سنجیدگی کے Gates کو چھو لیتی ہے اور وہ شخص سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ فعل بار بار ہو تو انسان اداس ہو جاتا ہے اور مسلسل ہونے لگے تو رونے لگتا ہے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ آپ کے کسی دوست کو یکا یک کوئی بات یاد آجاتی ہے اور اس بات کا کوئی رشتہ موجودہ ماحول سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی الیکٹران باہر جمپ لگاتا ہے اور کوئی نہ کوئی الیکٹران اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس تبدیلی سے میری مراد الیکٹران نہیں مگر وہ (Behaviour) جن (Gates) کو چھو لیتا ہے وہ (Gates) اوپن ہو جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی تحریریں بھی یاد آجاتی ہیں اس شخص کو تعجب ہوتا ہے کہ نہ تو ایسی کوئی بات ہو رہی تھی اور نہ ماحول میں ایسا کچھ ہوا جس کا اس سے رشتہ ہو اگر یہ سمجھنا مشکل ہے تو کیا وجہ ہے۔

آپ نے کسی ڈاکو کے بارے میں یہ پڑھا ہوگا کہ اس نے کسی شخص کو بھاری چیز سے سر پر چوٹ ماری اور جس شخص کو سر پر چوٹ لگی وہ بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوش ہونے کی وجہ بالکل سیدھی سادی ہے۔ کھوپڑی کی ہڈی بہت مضبوط ہوتی ہے بدن میں ایسی مضبوط ہڈی شاید ہی کوئی ہے۔ چوٹ کا اثر ہڈی پر نہیں ہوتا مگر دماغ کے اندر جو برقی رو ہے اس پر ہوتا ہے جس سے اس کے اندر خلل واقع ہو جاتا ہے اور Gates اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں یا جب تک چوٹ کا اثر رہتا ہے وہ شخص بے ہوش رہتا ہے ایسے موقع پر سر پر مالش کی جائے تو وہ شخص جلد بیدار ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برقی رو دماغ کو ماحول کے ساتھ ملاتی ہے جو ہاتھ کے ذریعے بہت جلد ہوتا ہے اور تمام زخمی Gates آرام ملتا ہے۔ آرام ملنے سے وہ شخص ہوش میں آجاتا ہے۔ اسپیس میں ہر پل یعنی کہ سیکنڈ کے چھوٹے سے چھوٹے حصے میں بھی کچھ تبدیلی ہوتی ہے۔

............................جاری............................

اسپیس کی تخلیق

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اللہُ نورُالسمٰوٰتِ والارض

جب لفظ ارض آیا تو کہنا کہ مٹی سڑی ہوئی ہے یا سڑی ہوئی تھی اس کے کچھ معنی نہیں ہوتے۔ میں اس بات پر بحث نہیں کروں گا کہ مٹی کیسی تھی مگر ایسی تھی کہ جیسی الہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اب اس آیت پر زور دے کر میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسپیس کی تین اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نور ارضی کہا ہے۔ دوسری قسم کہ جب نور ارضی کو روشنی کے طور پر دیکھا جائے، یہ نور جسے میں نے روشنی کہا ہے ایک برقی جسم ہوتا ہے جو انسان کے چاروں طرف غلاف کی طرح قائم ہوتا ہے۔ یہ غلاف تقریباً ایک فٹ موٹا ہوتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روح کہا ہے کہ اسے ہم دیکھ نہیں سکتے اور چھو بھی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ یہ روشنی نہ شرقی (مشرق کی) ہے نہ غربی (مغرب کی) اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسپیس کی ڈائی مینشن میں کوئی سمت نہیں ہے۔ اب اگر ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو برقی جسم کے ذریعہ ہی دیکھتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ برقی جسم ہماری نظر اور چیز کے بیچ میں رکاوٹ ہے۔

اب ہماری نظر ایک طرف روح کی نمائندگی کرتی ہے اور دوسری طرف برقی جسم کی نمائندگی کرتی ہے اور تیسری طرف اس چیز کی نمائندگی کرتی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسپیس کے ڈائی مینشن میں تین چیزیں شامل ہیں۔ روح، برقی جسم اور وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے ارض کہا ہے، ارض کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے بڑی بھی ہو سکتی ہے، چھوٹی بھی ہو سکتی ہے ارض درخت بھی ہو سکتی ہے، ارض کوئی فرد بھی ہو سکتی ہے، ارض زمین بھی ہو سکتی ہے ہم ارض کو چھوتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں، سونگھتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں اور چکھتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں ہماری سمجھ کے مطابق یہ ارض کبھی ہمارے سامنے پھول کی شکل میں آتی ہے کبھی تتلی کی شکل میں کبھی پھل کی شکل میں۔

اب سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ برقی رو جو ہمارے چاروں طرف غلاف کا کام کرتی ہے وہی نظر کے لئے منشور (prism) بن جاتی ہے اور ہم سے وہ حقیقت چھپا لیتی ہے جو ہمارے اوپر ظاہر ہونی چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ میرے ہادی آپ کے پاس آئیں گے اگر آپ ان کی بات مانیں گے ان کے کہنے کے مطابق عمل کریں گے، ان کا اتباع کریں گے تو آپ کو آپ کے آباؤ اجداد کا وطن واپس مل جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اعلیٰ اسپیس سے ادنیٰ اسپیس میں آنے پر نافرمانی نے ہمیں غلط خیالوں میں اور جھوٹے دکھاوؤں میں ڈال دیا ہے اور ہم ہمیشہ کے لئے اس میں پھنس گئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ پرزم نے ہمیں غلط دکھانا شروع کر دیا۔

جو ہادی ہمارے پاس آئے وہ صحیح طور پر پیغام نہیں پہنچا سکے۔ اس لئے کہ ہم ان کے پیغام کو برابر نہیں سمجھ سکے۔ حقیقت میں یہ خرابی پرزم کی اسپیس نے پیدا کی۔ نتیجہ کے طور پر روح ہماری آنکھوں سے چھپ گئی اور طرح طرح کے بت جو ہمارے خیالات میں نصب ہوئے تھے، ہماری آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ حقیقت میں یہ پرزم کا اثر تھا جو ہمارے جسم پر برقی غلاف کی شکل میں چڑھا ہوا تھا۔ آنکھوں کے سامنے آنے کے معنی یہ کہ انہوں نے ہمارے دماغ پر قبضہ کر لیا۔ پہلے تو ہم نے ان بتوں کو تو ہم، شک میں دیکھا پھر پرزم نے ایسی حرکت کی کہ وہ سب تو ہمات ہمارے سامنے صورت بن کر آ گئے اور جتنے جتنے وہ ہمارے قریب آتے گئے اتنے اتنے ہم حقیقت سے دور نکلتے گئے۔

پرزم کی وجہ سے ہم کسی چیز کو چھوٹی سے بڑی ہوتی ہوئی دیکھتے ہیں۔ کسی چیز کو ختم ہوتے دیکھتے ہیں۔ کوئی چیز ہمارے وہم میں ہوا سے آہستہ آہستہ صورت میں دیکھتے ہیں۔ ہم اس چیز کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھنے میں فرق نہیں کرتے۔ میں آپ کو اس کی مثالیں دے رہا ہوں۔ مثلاً جس نے ٹیلیفون ایجاد کیا وہ چاہے ایک فرد ہو یا زیادہ اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی اور اپنے خیالات کو عملی شکل دی۔ نتیجہ کے طور پر موجودہ جو ٹیلیفون ہے اس کی شکل ہمارے سامنے آ گئی۔ یہ وہی پرزم کا اثر تھا جس نے ہمارے امیج یا عکس کو مختلف تجربوں اور مراحل پار کروا کے ٹیلیفون بنا دیا۔ یہی معاملہ ٹیلی ویژن کا ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی مذاق اڑایا مگر اس سمت میں کوششیں کیں تو آہستہ آہستہ یہی پرزم، ٹیلی ویژن کو ایک شکل میں ہمارے سامنے لے آیا۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ کتنے مرحلے پار کرنے پڑے مگر اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ انسان کے ذہن کی ایجاد ہے۔ یہی مثال ہوائی جہاز کے سلسلہ میں آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یہی بات ایٹم کے بارے میں ہے کہ وہ پرزم کے ذریعہ اصل شکل میں ہمارے سامنے آ گیا۔ ہمارے سامنے ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ تاریخ اس پرزم کی وجہ سے ہی بدلتی رہتی ہے۔ اگر آپ پرزم کی زیادہ تفصیل چاہیں تو وہ بہت آسان ہے وہ یہ کہ ایک طرف پرزم ہمارا جسم بتاتا ہے ہماری ہڈیوں کو سخت بتاتا ہے۔ ہمارے گوشت میں ایک خاص قسم کی لچک بتاتا ہے۔ دوسری طرف یہی پرزم ہمیں بتاتا ہے کہ ہر چیز مٹی ہے اور مٹی سے مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک طرف وہ خیال کو کچھ اہمیت نہیں دیتا اور دوسری طرف وہ خیال سے دس سال، بیس سال، تیس سال، ہزار سال کی شکل بنا لیتا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سب علوم اس علم کی شاخیں ہیں جو پرزم سے متعلق ہیں۔ یہ میں قرآن کی رو سے لکھا ہے میں اپنی طرف سے نہ کوئی بات لکھ سکتا ہوں نہ لکھنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے آدم کو علم الاسماء سکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ آدم کو زمین دی، یا درخت دیئے یا پہاڑ دیئے یا دریا دیئے نہ تو اللہ تعالیٰ نے یہ تفصیل کی ہے کہ میں نے آدم کو کپڑے پہنائے۔ صرف یہی فرمایا ہے کہ میں نے آدم کا پتلا مٹی سے بنایا اور اس میں میں نے روح پھونکی اور آدم کو علم الاسماء سکھایا۔ دوسری جگہ سورہ یٰسین کی آخری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

انما امرہ اذا ارادہ شیأ ان یقول لہ کن فیکون

اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے ہوجا، وہ ہوجاتی ہے۔

ارادہ سے کس طرح بدل جاتی ہے؟ آخر کوئی تو طریقہ ایسا ضرور ہوگا جو اللہ کے سامنے ہے اللہ کی نظر میں ہے مگر ہمارے سامنے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ تفکر کرو، تدبر کرو، اس کی معنی یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ارادے کو علم الاسماء سے ملانا (جوڑنا) ہے، یہ سب پرزم کی بدولت ہوتا ہے جو ہمارے اوپر غلاف (خول) کی طرح ڈھکا ہوا ہے اسکی واضح معانی یہ ہوئے کہ ہماری روح کے اوپر یہ پرزم خول کی شکل رکھتا ہے۔ ہم اس پرزم کے ذریعے دیکھتے ہیں اسی کے ذریعے چھوتے ہیں۔ اسی کے ذریعے جانتے ہیں اور اسی پرزم کے ذریعے حرکت کرسکتے ہیں۔ یہاں ایک آیت بھی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "آپ سب اتر جائیں" اس کے معنی مفسرین یہ کرتے ہیں کہ زمین پر اتر جاؤ مجھے اس ترجمہ سے کوئی اختلاف نہیں مگر میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ آپ سب کے سب اس پرزم میں اتر جائیں۔ یہاں کسی جگہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے لفظ ارض استعمال نہیں کیا ہے۔ یعنی کہ اللہ کی نگاہ کے سامنے اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں چیزیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ میں اتر جانے کا حکم دیا جو اعلیٰ کے اثرات سے بالکل مختلف تھا۔

زمین سے جتنے بھی انسان خلاء میں گئے چاہے وہ کتنی بھی اونچائی پر گئے ہوں، پریشر سوٹ کے بغیر نہیں جاسکے یعنی کہ پرزم ان پر مسلط تھا۔ اگر وہ آکسیجن نہ ہونے کا بہانہ کریں تو اس پر مجھے کچھ بحث نہیں کرنا ہے وہ اگر چاہیں تو آکسیجن اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں ایک ہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ وہ پرزم میں ہی تھے، پرزم سے باہر نکل نہیں سکے مگر یہ بات بھی واضح ہے کہ جو خلاء باز کھو گئے وہ اس پرزم کے باہر نکل گئے تھے اور نتیجہ میں ان کی ہستی مٹ گئی یا پر وہ ایسی جگہ چلے گئے جس کا نام ہم نہیں جانتے۔

خلا بازوں کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہمارے سامنے ہے، اس کے ساتھ ساتھ اور مثال یہ ہے کہ امریکا اور روس نے ایسے سیٹلائٹ خلاء میں رکھے ہیں جو اس پرزم کے اندر ہیں اور ساتھ ساتھ ٹیلیفون کا کام بھی کرتے ہیں اور ہم کہہ نہیں سکتے کہ کتنے سارے کام کرتے ہیں مگر اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب پرزم کے اندر ہیں۔ اگر پرزم کے باہر نکل جائیں تو ان کی ہستی نہیں ملتی کسی بھی طرح جو کچھ بھی اس پرزم کے اندر ہے قدرت نے اس پر کچھ حدیں لگادی ہیں وہ حدیں توڑی نہیں جاسکتیں اور نہ ان سے باہر نکلا جاسکتا ہے۔ مصنوعی سیارے انہی حدود کے اندر ہی ٹوٹتے ہیں اور ٹوٹ کر گرتے ہیں۔ ان کی نشانیاں بھی مل جاتی ہیں۔ پرزم کے اندر حالات پیدا کیے جاسکتے ہیں جو اہرام مصر میں واضح ہیں۔ مثال کے طور پر ہزاروں سال پہلے کی ممی (Mummy) آج بھی اسی حالت میں موجود نظر آتی ہے حالانکہ وہاں ہوائیں پہنچتی ہیں جو کسی بھی چیز کو خراب اور ختم کرسکتی ہیں۔ ایسا اکثر ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک چہ ایک سال کا ہے پھر وہ دس سال کا ہوتا ہے۔ پھر وہ پچاس سال کا ہوتا ہے پھر وہ اسی سال کا ہوتا ہے پھر اسے موت آجاتی ہے یا سو سال سے بھی زیادہ زندہ رہتا ہے اور ایک بچہ ہے جو ایک سال بھی پورا زندہ نہیں رہتا۔ دونوں اسی پرزم کے اندر ہیں۔ اس کے صاف معنی تغیرات ہیں۔ پرزم کے اندر ہر وقت ہر سیکنڈ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر آپ ان تبدیلیوں پر غور و فکر کریں تو آپ سمجھ سکتے ہیں ہزاروں سال پہلے یہ زمین کیا تھی۔ لاکھوں سال پہلے کیا تھی؟ جغرافیہ کے ماہرین اس بات کا اندازہ لگاتے رہتے ہیں مگر ہزاروں میں شاید ہی دو چار ایک سوچ پر ہم خیال ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ ان کے خیالات ہیں اور ان کے خیالات کو یہی پرزم عملی جامہ پہنا کر ہزاروں کو لاکھوں میں، لاکھوں کو کروڑوں میں کروڑوں کو اربوں میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ صحیح طور پر نہیں بتاسکتے کہ ہمالیہ پہاڑ کی عمر کیا اور بحر الکاہل کس زمانے سے قائم ہے اور یہ براعظم ہیں وہ آج سے کتنے سال پہلے الگ ہوئے یہ سب پرزم کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تفصیل اس بات کی تھی کہ یہ پرزم کائنات کو کم از کم دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جو ہمارے نزدیک سے نزدیک حصہ ہے اسے کہتا ہے کہ یہ سب مٹی ہے اور جو ہم سے دور ہے اسے ہماری آنکھیں روشنی یا چمکتی شکل میں دیکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا ہے۔

آپ پہاڑ کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ قائم ہے (حالانکہ وہ قائم نہیں) یہ بھی پرزم کی تفصیل ہے۔ اسی پرزم کے ذریعہ مستقبل میں ایسی ایسی ایجادیں ہوں گی جو انسانوں کو تعجب میں ڈالیں گی۔

انسان کی ترقی کا راز اسی پرزم میں ہے۔ اب پرزم میں جو حصہ ہمارے نزدیک ہے اس کے بارے میں قرآن پاک میں جگہ جگہ تفصیل ہے۔

اس نے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر بنادیئے کیا تمہیں خدا کی تخلیق میں کوئی کسر نظر آتی ہے۔ پھر نظر پھراؤ کچھ کمی دکھتی ہے۔ تمہاری نظر رد ہوکر تھک کر واپس آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے پرزم ہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

ترجمہ:

"میں نے ایک دوسرے پر سات آسمان پیدا کیے ہیں۔ کیا تجھے اس بناوٹ میں کچھ فرق نظر آتا ہے۔ دنیا ابھی تک اس بارے میں حیران ہے۔ آسمان نظر کی حد کو کہتے ہیں۔ نظر کی حد سے مراد کوئی نہ کوئی چیز ہے جہاں نظر رک جاتی ہے۔ پھر وہ چاہے کچھ بھی ہو نظر بندی ہو، رکاوٹ ہے۔ آپ آسمان کی کیفیت شام کو بھی دیکھ سکتے ہیں اور کچھ رات گزر جانے کے بعد بھی اور آدھی رات نکل جانے کے بعد بھی اور صبح کے وقت اور دن چڑھا ہو اس وقت بھی اور دوپہر کو دماغ پر مختلف اقسام کی کیفیتیں چھا جاتی ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ کیفیت ہر پل بدلتی رہتی ہے۔ چاہے ایک منٹ ہو چاہے ایک سیکنڈ۔

پھر آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ آسمان کو دیکھنے سے یہ پل پل کی تبدیلیاں اور منٹ منٹ کا پلٹنا، موسموں کو بدلتے رہتے ہیں مگر اثر میں اس کے مطابق تبدیلی نہیں ہوتی جیسی کہ آسمان کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اگر آپ غور و فکر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ آسمان کی طرف دیکھنے سے جو آپ پر اثر ہوتا ہے وہ زمین کے اثر پر حاوی رہتا ہے۔ اس

کی کچھ وجوہات ہیں۔زمین کا اپنے محور پر گھومنا دونوں حرکتیں کائناتی یعنی آسمانی حرکتوں سے مقابلتاً کم ہیں۔یہ حرکتیں پرزم کے اوپر اثر کرتی ہیں جس پرزم کا ہماری آنکھیں استعمال کرتی ہیں اور جس پرزم کو دماغ آنکھوں کے ذریعے دیکھتا ہے۔یہ وہی پرزم ہے جس کے ذریعہ ہم خود چلتے پھرے اور سانس لیتے محسوس کرتے ہیں۔
جب ہم پیدا ہوتے ہوتے ہیں تو پرزم کے ذریعہ ہم بولنا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا آہستہ آہستہ سب سیکھتے ہیں اور چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں۔پر ڈھلان کی طرف آتے ہیں اور جو طاقتیں ہم پرزم سے حاصل کرتے ہیں آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہیں اور جو برقی رو ہمارے جسم پر لگی ہوتی ہے وہ ہمیں چھوڑ دیتی ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔اس کی معنی یہ نہیں کہ پرزم نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔پرزم ہمیشہ ہمارا ساتھ دیتا ہے۔ہم زندہ رہیں تو ہمیں زندگی دیتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر والی آیت میں فرمایا ہے۔

" کیا رحمٰن کی تخلیق میں تم کچھ فرق دیکھتے ہو۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم اپنی طاقتیں اور اختیارات کس کس طرح استعمال کرتے ہیں یہ معمولی بات ہے۔
کچھ سالوں پہلے اس دنیا میں وہ چیزیں موفود نہ تھیں جواب ہیں۔آج سے پچیس سو سال پہلے یونان کے ایک باشندے کے دماغ میں ایٹم کا خیال آیا۔وہ خیال کچھ لوگوں کے ذہن میں پھیلتا گیا۔نتیجہ کے طور پر بہت ساری چیزیں ایجاد ہوئیں اور پتہ نہیں مزید کتنی چیزیں ایجاد ہوں گی۔پرزم کے خواص میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہی کہ جب کوئی فرد اپنے ظاہر سے کام لینا چاہے جتنا چاہے لے سکتا ہے۔اور جب اپنے باطن سے کام لینا چاہے جتنا چاہے لے سکتا ہے۔یہ ایک الگ بات ہے کہ انسان کو ظاہر سے زیدہ دلچسپی ہے اور باطن سے کم ہے۔مثال کے طور پر وہ اپنے دماغ سے کام لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔یہ وہی طاقتیں ہیں جو بھی تصورتھیں پر صورت اختیار کر کے سمنے آگئیں۔ہم باطن سے بھی اسی طرح کام لے سکتے ہیں۔جیسے کہ ایک خیال پچاس سال میں نتیجہ کی صورت میں آجاتا ہے۔اگر اس میں ظاوری اسباب شامل ہوں تو ہم اس کو سائنس کہتے ہیں اور اگر ظاہری اسباب شامل نہ ہوں تو ہم اسے کرامت کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہی بات کہی ہے۔

" کیا تم اپنے رب کی تخلیق میں کچھ فرق دیکھتے ہو۔"

فرق کے معنی ظاہر اور باطن کا فرق ہے۔اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

" میں نے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر بنائے۔"

اب آپ پوری آیت پر تفکر کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ معنی میں اس آیت کے دو حصے نہیں کیئے جا سکتے۔پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ میں نے آسمان کو ایک دوسرے کے اتپر بنایا ہے اور تم کیا میری تخلیق میں کچھ فرق دیکھتے ہو۔اگر ہمارے سامنے وہ پرزم ہو تو ہم اس آیت کو مکمل طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

" پھر نظر دوڑاؤ کیا تمہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر شگاف ہو تو نظر آر پار ہو جائے۔اب نظر واپس ہو جاتی ہے اس لئے کہ شگاف نہیں ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" پھر نظر کر دوبارہ نظر کر تیری نظر رد ہو کر واپس تیرے پاس آجائے گی۔"

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ سب کیفیات جو ایک دوسرے کے اوپر آسمانوں میں ہیں نظر اپنے ساتھ لائے گی۔
اب یہ بات آسنی سے سمجھ میں آتی ہے کہ نظر ہماری نہیں مگر وہ پرزم کا عکس ہے جس کی تفویض اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔آگے پھر فرماتا ہے۔

" میں نے زمین کے آسمانوں کو تاروں کے چراغوں سے زینت دی ہے۔"

یہ چراغوں والا آسمان ایک الگ کیفیت رکھتا ہے۔آپ جب رات کے وقت چمکتے تارے دیکھیں گے تو آپ کے اس کا اندازہ ہوگا۔
سورۃ واقعہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

" قسم کھاتا ہوں میں تارے کے ڈوبنے کی اور یہ قسم تم سمجھو تو بہت بڑی ہے۔"

اس آیت میں بھی اللہ پرزم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔پہلے تو ایک معمولی بات ہوئی ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے کی پھر فوراً فرماتا ہے۔"اگر سمجھو تو قسم بہت بڑی ہے۔"
اس کے معنی یہ ہوئے کہ پرزم آپ کو جو کچھ بتاتا ہے وہ عکس بن کر دکھتا ہے۔اس کی تفصیل پہلی آیت میں آچکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ " میں نے آسمان اول کو تاروں سے زینت دی ہے۔"تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب ہم تاروں کو دیکھتے ہیں تو وہ ان کیفیتوں کو واپس کر دیتا ہے جو اکے اندر پائی جاتی ہیں اور جن کیفیتوں کو ہماری آنکھیں قبول کر لیتی ہیں اور اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" اگر تم سمجھو تو یہ قسم بہت بڑی ہے۔"

منشاء یہ ہے کہ اس پرزم کی کائناتی حرکت سے ہر چیز ہماری آنکھوں پر رکاوٹ ڈالتی ہے۔کیا چیز ہے جو رکاوٹ ڈالتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وہ کیفیت، خواص پرزم کے اندر رکھ دیئے ہیں جو ہماری آنکھوں کو نظر آتے ہیں اور رد کر دیتے ہیں۔یہ کیفیت بار بار ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہے اور بار بار رد ہو جاتی ہے۔زمین کی سب کیفیات جو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں ان ہی کیفیات کا حصہ ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر سمجھو تو یہ قسم بہت بڑی ہے یعنی اس کی اہمیت اتنی ہے کہ انسان زمین پر دیکھتا ہے جو اللہ دکھانا چاہتا ہے اور وہ سب اسی پرزم کا حصہ ہے۔اللہ تعالیٰ اس پرزم کے ذریعہ بہت ساری نعمتیں عطا کرتا ہے۔اس کی تفصیل سورۃ الرحمٰن میں بار بار آئی ہے وہ سب چیزیں جو ہم زمین پر دیکھتے ہیں، سونگھتے ہیں، چکھتے ہیں، سوچتے ہیں یہ سب اسی پرزم سے واپس ہو کر آتی ہیں۔
سورۃ یٰسین کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" ہر چیز کو گن لیا ہے ایک کھلی اصل میں۔"

یہ پرزم کی ہی تفصیل ہے۔ کھلی اصل کی منشاء یہ ہے کہ اس پرزم کے اطراف میں ایک بیلٹ ہے جو گھوما کرتی ہے ایک طرف کائنات کی حرکت کا اس پر اثر ہے دوسری طرف زمین کے محور کی حرکت اور تیسری طرف طولانی حرکت ان تین حرکتوں سے مل کر ہماری نظر اور ہماری نظر کے ساتھ جو کچھ ہے وہ ہوتا رہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا" کن فیکون" ہر پل جاری ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" جو اُگاتا ہے زمین میں اور آپ کو اس میں اور ان چیزوں میں جن کی آپ کو خبر نہیں ہے۔" اب بہت سارے ایسے علوم ہیں جو انسان کے ذہن میں موجود ہیں مگر ان کو عمل میں آنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ انسان کے دماغ میں آتے ہیں۔ پہلے خیال میں اور پھر کچھ وقت میں چاہے وہ وقت کم ہو یا زیادہ وہ صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

"اور میں یہ بات ان کو دکھاتا ہوں رات کو دن سے نکالا گیا۔ وہ بات جو یہ نہیں سمجھتے وہ پرزم ہے جس کے ذریعہ ہم ایسا کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ اندیرے میں رہتے ہیں۔ انہیں کچھ علم نہیں۔ اس لئے کو وہ اس چیز کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "سورج بھی چلتا ہے اسی راستہ پر جو اس کے لئے متعین ہے۔" یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ راستہ زبردست خبر والے کا معین کیا وہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ پرزم کا سورج کی رفتار سے بھی رشتہ ہے۔ زبردست اس لئے کہا گیا کہ اللہ گعالیٰ کے بے شمار کرشمے سورج سے ظاہر ہوے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کرشموں سے واقف ہے جو سورج سے ظاہر ہوتے ہیں اور ظاہر ہوں گے یعنی کہ آپ کے دماغ کے اوپر اور آپ کی زندگی کے اوپر سورج اثر انداز ہوتا ہے۔ میرا اور آپ کا سوچنا میرا اور آپ کا دیکھنا، میرا اور آپ کا سننا اور چکھنا، سونگھنا، ہماری ہر ایک حس سورج سے اثر لیتی ہے مگر ظاہر میں اس کی علم نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہی پرزم ہے۔

اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے۔

"میں نے چاند کی منزلیں معین کی ہیں۔ جس کا علم آپ کو نہیں ہے۔ یہ ایک پرانی شاخ ہے۔"

کس چیز کی شاخ ہے، اسی پرزم کی جس کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی سب حرکتوں، رفتاروں کا جاننے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"میں نے ہر چیز کی بیلٹ معین کی ہے۔ نہ چاند، سورج کو پکڑ سکتا ہے اور نہ سورج چاند کو۔ اور یہ ممکن نہیں کو رات، دن سے آگے نکل جائے اور دن رات سے آگے نکل جائے۔"

اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا انتظام کیا ہے، کس لئے کیا ہے، اس کے اثرات کیا ہیں ان سب باتوں کا اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو پرزم میں پہلے سے ہی موجود رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"میں نے ان کو اس طرح بنا دیا ہے جس طرح وہ لوگ چلتے ہیں۔ مگر ایک معین راستے پر سیک معین کئے ہوئے بیلٹ کے اندر اگر میں چاہوں تو ان کو ہلاک کر دوں۔"

اب اس میں ہلاگ ہونے والے انسانوں کی بھی تفصیل ہے۔ وہ بھی ایک معین راستے پر چلتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کی اس طرح زندہ رکھتا ہے جس طرح چاہتا ہے انہیں موت دیتا ہے۔

"اگر میں ہلاک کر دوں تو ان کی فریاد کو سننے والا کوئی نہیں ہوگا، پھر چاہے چاند، سورج ہو چاہے، انسان ہو اور اگر میں ان کو زندہ رکھوں تو اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک میں نہ چاہوں۔"

یہاں بھی اس پرزم کی تفصیل ہے۔ آخری اشارہ اسی پرزم کی طرف ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہر ذرے مین زندگی ہے۔

غیب

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:
یومنونَ بالغیب
"جو ایمان لائے ہیں بغیر دیکھے۔"
اللہ تعالیٰ کے لئے تو کچھ بھی غیب نہیں ہے۔ یہ غیب بندوں کے لئے ہے اور بندوں کی تفصیل میں غیب کی تفصیل ہے۔ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جنہیں انسان کے ذہن میں ڈال دیا ہے اور انسانوں کے دلوں میں ج ان چیزوں کی رغبت پیدا کردی۔ اس لئے انسان ان کی ایجاد کرلیتا ہے۔ پھر چاہے ایجاد میں کتنی ہی محنت کرنی پڑے اور جب نتیجہ تک پہنچتا ہے تو خوش ہوجاتا ہے اور دوسروں کے لئے یہ سبق چھوڑ جاتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح جو چیزیں غیب ہیں اور غیب سے انسانوں کے خیالوں میں آتی ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح ایجاد کرلیں۔ پھر چاہے وہ ایجاد کتنی ہی خوفناک ہو اسکی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو عام عقل کے علاوہ ایک خاص عقل بھی دیتا ہے جو اس چیز کی طرف ان کا دھیان کھینچتی ہے۔ جنہیں اللہ صورت شکل دینا چاہتا ہو۔ آخر ایک نہ ایک دن وہ اس چیز کو پالیتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں اور پرزم کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ نعمتیں نازل کرتا ہے۔ آیت نمبر ۲۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
"جس نے آپ کے لئے زمین کو بستر اور آسمان کو عمارت بنادیا۔"
یعنی آسمان کو عمارت کی شکل بنادیا جو ظاہری طور پر نظر نہیں آتا مگر یہ بہت بڑی تعمیر ہے جس میں ستارے اور سیارے اپنی وہی بیلٹ ہے جو آسمان کو عمارت کی شکل دیتا ہے۔ یہاں عمارت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ عمارت سے مراد انسان بھی ہیں۔ دریا اور پہاڑ بھی ہیں، اڑنے والے پرندے بھی ہیں اور ان کی جبلت، ضروریات، خواص کیفیات وغیرہ سب لفظ "عمارت" میں آجاتا ہے۔ یعنی کہ اللہ نے اتنی مخلوق بنادی ہے جن کی ہم گنتی نہیں کرسکتے اور یہی مخلوق اس کی تعمیر ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس مخلوق کے لئے فرماتا ہے کہ:
"میں نے اس مخلوق کے لئے زمین کو بستر بناتا اور آسمان کو عمارت بنادیا ہے۔"
ہم کبھی ان باتوں کے بارے میں سوچتے نہیں ہیں اگر ذرا بھی تفکر کریں تو احساس ہوگا کہ یہ سب پرزم کی کاریگری ہے جس کی تفصیل میں نے کہی ہے۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
"نافرمان لوگ ان چیزوں کو توڑتے ہیں ہیں جن کو جوڑنے کا میں نے حکم دیا ہے اور فسد کرتے ہیں۔ کبھی وہ لوگ سوچتے نہیں کہ یہ انہی کا نقصان ہے وہ میرا کچھ نقصان نہیں کرتے۔ اگر وہ سوچیں تو یہ وہ نقصان ہے جو پرزم کی کاریگری کو بگاڑنا چاہتا ہے۔"
حقیقت میں وہ بگڑتی نہیں ہے بلکہ اسی حالت میں رہتی ہے، جس حالت میں اسے رکھا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ آیت نمبر ۳۱ میں فرماتا ہے:
میں نے آدم کو سب نام سکھائے اور وہ بتائے فرشتوں کو کہا بتاؤ مجھے وہ نام اگر سچے ہو فرشتوں نے کہا تو برتر ہے، ہمیں معلوم نہیں مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا ہے بے شک تو جاننے والا ہے۔
آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
" کہا اے آدم بتادے نام ان کو پھر جب اس نے انہیں نام بتادیئے تو کہا کیا میں نہ کہتا تھا کہ مجھے زمین و آسمان کی خبر ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور ج جو کچھ چھپاتے ہو اس کی بھی خبر ہے۔"۔
ان آیات میں اللہ تعالیٰ اس کائناتی پرزم کی تفصیل کرتا ہے جس میں اس نے ظاہری مخلوق اور باطنی مخلوق دونوں بنادی ہیں۔ اگر پرزم کی یہ خاصیت نہ ہوتی تو یا تو تمام مخلوق ظاہر ہوتی یا تمام مخلوق غائب ہوتی اصل زور اس آیت پر ہے کہ
"میں نے سکھائے آدم کو سب کے سب نام اور وہ بتائے فرشتوں کو۔"
چیزیں نہیں، نام بتائے اب نام بتانے سے ہی پرزم کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔
آیت نمبر ۳۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:
"آدم نے اپنے رب سے بہت سی باتیں سیکھ لیں پھر ان پر تفکر کیا۔ برحق ہے وہ معاف کرنے والا۔ "
آیت نمبر ۶۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"جب میں نے تم سے عہد لیا اور اونچا کیا تم پر پہاڑ، پکڑو جو میں نے تمہیں دیا ہے مضبوطی سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شاید تمہیں ڈر لگتا ہو۔"
یہ بھی پرزم کی تفصیل ہے غور کئے بغیر یہ آیت سمجھ نہیں سکتا۔
آیت نمبر ۶۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
"اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لئے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنادیا۔"

یہ جو ڈر خوف انسان کی کیفیت میں ملتا ہے کبھی وہ کچھ سوچتا ہے اور کبھی کچھ اور جو باتیں اس کے روبرو ہیں ان سے ڈرتا ہے کہ اس کی پیٹھ پیچھے کیا ہونے والا ہے۔ یہ ان باتوں پر غور کرتا ہے تو نصیحت پاتا ہے اور بری باتوں سے دور رہتا ہے۔ یہ پرزم کی ہی تفصیل ہے۔

یہاں تک کہ چلتے چلتے آگے پیچھے وہ ڈرتا رہتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۵ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"اور مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے تو جدھر تم رخ کرو ادھر خدا کی ذات ہے۔ بے شک خدا صاحبِ وسعت اور باخبر ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سمتوں کا انکار کرتا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے کہ جس طرف آپ رخ کریں گے اللہ تعالیٰ دھیان دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت ہے جس نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، سب اسی کا فرمانبردار ہے۔"

اس آیت پر غور کیا جائے تو انسان کو پرزم بتاتا ہے کہ اس کا سر آسمان کی طرف ہے اور جب وہ جھکتا ہے تو اللہ ہی کو جھکتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۷ میں اللہ فرماتا ہے کہ:

"وہی ہے آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کو ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔"

آسمان اور زمین کو اس طرح پیدا کرنے والا ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہر پل یا اس کے ہزارویں حصے میں پرزم کے اندر ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اس کے ارادے سے ہر چیز ہو جاتی ہے جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ انسان سمجھتا ہے کہ اس کا سر آسمان کی طرف ہے اور جب وہ سر جھکاتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ زمین کی طرف جھکتا ہے۔ مگر یہ سب پرزم کا کرشمہ ہے۔ یہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے پاس کوئی سمت نہیں ہے مشرق نہ مغرب، نہ شمال نہ جنوب، نہ اوپر نہ نیچے اس کے باوجود انسان تمام سمتوں کو دیکھتا ہے، وہ اس پرزم کے ذریعے ہی دیکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

CREDITS

Source Book:

قدرت کی اسپیس

The Space of Nature

Author of Book:

صدرِ صدور (تکوین)، ابوالحق (تکوین)، امام سلسلہ عالیہ عظیمیہ واقفِ اسرارِ کن فیکون

محمد عظیم (برخیاء)

المعروف

حضور قلندر بابا اولیاءؒ

1899 - 1979 (a.d.)

This book was written first time in "Gujrati (Reigional)" Language, & his grace divine "Qalandar Baba Aulia" made Mr. Ali hussain write this book fitst time.

(Note: This e-book is written as incompleate as free ware form however If any one wants to read out compleate book' can order by post with Money order of US$ 1.00 or 50/- pak rupees apx (plus potal charges) at following adress)

This books is Dedicated to Sold purpose for Construction of Shrine of Qalandar Baba Aulia. Anyone can participate in his Shrine's consturction by Purchasing full book i.e. Donating through Money Ordery at following adress:
"to: Azeemia Foundation Trust, (Mazaar Qalandar Baba Aulia), Sector 14-B, Shadman Town # 1, near Sakhi Hassan Grave yard , Nazimabad Karachi Pakistan."

Composed & Documented by:

Irfan Farooqi (irfanfarooqi@gmail.com)

http://www.mmhall.net

http://irfanfarooqui.blogspot.com

http://irfanfarooqi.spaces.live.com